

کتاب نما

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خواتین، ایک سماجی مطالعہ، مولاناڈاکٹر محمد شیخ
مظہر صدیقی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، دہلی۔ صفحات: ۲۲۰۔ قیمت مجلد: ۱۲۰ روپے بھارتی۔

۱۲ ابواب پر مشتمل یہ تاریخی اور تجزیاتی کتاب دور حاضر کے حرارت پیدا کرنے والے موضوع پر ایک اہم اختلافی تحریر ہے۔ ڈاکٹر صدیقی صاحب نے مختلف تاریخی آخذ کھنگال کروہ واقعات یکجا کر دیے ہیں جنہیں صحابیات اور امہات المونین کی معاشرے میں کسی بھی حیثیت سے موجودگی کا ذکر پایا جاتا ہے۔ کتاب کے مباحث کا خلاصہ خود مصنف کے الفاظ میں یوں ہے:

”رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی خواتین عصر کی باہمی زیارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ غیر رشتہ دار محروموں کے علاوہ دوست، احباب اور غیر محروم خواتین کے گھروں میں بھی ملاقات اور زیارت کے لیے جایا جاسکتا ہے۔ محرم رشتہ داروں کی ملاقات و زیارت پر کوئی تقدیر ہی نہیں ہے سوائے سلام و اجازت کی شرائط و آداب کے۔ لیکن غیر محروموں کے ہاں بھی جانے آنے کی عام اجازت ہے۔ ان کے مردوں اور عورتوں کا مخلوط تجمع ہوتا کسی قسم کی تباہت نہیں ہے سوائے پردے کے۔ پر دہ اور حباب کی بحث بہت طویل ہے اور کافی وقت طلب بھی۔ اس کا یہاں موقع نہیں۔ لیکن مختصر باتیں کی جاسکتی ہے کہ حباب سے مراد موجودہ بر قعہ یا عورت اور مرد کے درمیان ایک ستر کی دیوار کا ہوتا ضروری نہیں ہے۔ ساتر لباس ہو اور کئی افراد ہوں تو میل ملáp اور ملاقات و زیارت میں کوئی چیز مانع نہیں ہے جیسا کہ صحابہ کرام کے زمانے میں اور عہد بنوی میں طریقہ ملاقات تھا یا آج کے مسلم معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ لیکن جو خواتین اور ان کے مرد غیروں سے میل ملáp نہیں پسند کرتے، ان کے گھروں میں آنا جانا پسندیدہ نہیں ہے۔ اور اگر آنا جانا ہو بھی تو عورتوں سے الگ مجالس میں ہو، تاکہ کسی قسم کا غبار خاطر نہ پیدا ہو۔“ (ص ۱۹۳-۱۹۲)

مزید اسی تسلسل میں آگے یہ بات بھی فرمائی گئی ہے کہ ”شادی شدہ خواتین کے گھروں

میں اجنبیوں کی آمد و رفت صرف، ان کے شوہروں کی موجودگی اور ان کی بخوبی اجازت کے حال میں ہی صحیح اور جائز ہے۔ ان کی عدم موجودگی میں جانے کی عامممانعت ہے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ کے بارے میں یہ واقعہ نقش کیا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کی غیر موجودگی میں وہ متعدد صحابہ کی خاطر مارات کر رہی تھیں کہ حضرت ابو بکرؓ آئے اور انھیں یہ ناگوار ہوا تو حضور نبی کریمؐ نے یہ اصول نافذ فرمایا کہ شوہر کی غیر موجودگی میں کوئی شخص یا اشخاص کسی شادی شدہ عورت کے گھر میں نہ جائیں، پھر یہ کہا گیا ہے کہ ”لیکن اسی کے ساتھ یہ جزو یہ بھی ہے کہ اگر کسی شوہر کو اپنی غیر حاضری میں اپنے دوستوں اور عزیزوں کے آنے جانے پر اعتراض نہیں ہے تو اس گھر میں جایا جا سکتا ہے جیسا کہ رسول اکرمؐ کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریق سے معلوم ہوتا ہے۔“ (ص ۱۹۳)

کتاب کے آخری پیراگراف میں مصنف نے اپنے تجزیے کا خلاصہ یوں خود بیان فرمایا ہے: ”سیرت و حدیث اور تاریخی واقعات بلکہ قرآنی آیات سے بھی یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ اسلامی حدود و شرعی قیود کے ساتھ مردوزن کے ارتبااط اور صفائی اختلاط کی پوری اجازت تھی اور نہ صرف اجازت تھی بلکہ وہ ایک سماجی روایت بھی تھی جسے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی متواتر سنت کا پیشہ حاصل تھا۔ مردوزن کے اختلاط و ارتبااط کا اصل اصول اور صحیح ترین طریقہ یہی طریق نبوی اور اندازِ صحابہ کرامؓ تھا، نہ کہ بعد کے خود پسند اور وقت پرست علماء و فقہاء کا طریقہ اور نہ ہی جدت طراز اور اباحت پسند سماجی دانش و رول کا بے محابا اور بے سیقہ فکر و عمل۔ دنیاوی فلاج و مسرت اور اخنوی بہبود و نجات صرف سنت نبوی اور تعامل صحابہ میں ہے۔“ (ص ۲۰۵)

تبصرے میں اتنے طویل اقتباسات سخت غیر ضروری ہوتے ہیں لیکن چونکہ مصنف محترم نے بعض ایسے نکات اٹھائے ہیں جن کا ان کے اپنے الفاظ میں قارئین کی نگاہ سے گزرننا ضروری تھا اس لیے یہ جسارت کی گئی ہے۔

دور حاضر میں حریت نسوان کی مغربی چیخ و پکار اور مسلم ممالک میں پائی جانے والی آواز بازگشت میں بالعموم قرآن و سنت اور تعامل صحابہ کو ازالتم دیتے ہوئے یہ بات کہی جاتی رہی ہے کہ اب قرآن و حدیث کو بد لے بغیر ترقی کا عمل آگئے نہیں بڑھ سکتا۔ اس لیے امت مسلمہ کی فلاج اور نجات و ترقی اسی میں ہے کہ اسلامی مصادر کو نظر انداز کرتے ہوئے دور حاضر کی روشن خیالی یا

خیالی روشنی کو رہنمایا جائے اور مسلم معاشروں میں پائی جانے والی روایات کو خصوصاً نام نہاد شرقی روایت ہی کو بطور مباح، جائز اور قابل قبول طرزِ عمل کے اختیار کرتا اسلامی روح کے مطابق درست ہے۔ چنانچہ پاکستان اور ہندستان میں جو مشرقی لباس یا سماجی رسومات پائی جاتی ہیں انھیں norms یا قدر کا درجہ دے کر مشرقی ثقافت کے نام پر مخلوط مشاعروں کی مختلیں یا شامِ موسیقی کے 'روح پرور' مخلوط اجتماعات کے انعقاد کو تہذیب یا فتح ہونے اور معاشرے کے سرگرم فرد ہونے کی پہچان بنالیا گیا ہے۔

حوالہ جات سے بھرپور یہ کتاب ایک قدم آگے بڑھ کر ایک عام قاری کو یہ تاثر دیتی ہے کہ مخلوط مختلیں اور غیر محروم افراد کا 'زیارات' اور 'اختلاط' نہ صرف دھلوی اور لکھنؤی ثقافت کے معیار سے بلکہ سنت اور تعامل صحابہ کے عین مطابق اور مطلوب و مقصود طرزِ عمل ہونے کی بنا پر دنیا و آخرت میں اعظمیم کا باعث بھی ہے۔

بعض اوقات ارادے اور نیت کے بغیر تاریخی حقائق کا جزوی اظہار مخصوصیت کے ساتھ ایک قاری کو مختلف وادیوں میں بھٹکا دینے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ صد لیتی صاحب جیسے ماہر تاریخ و اسلامیات سے یہ بات پوشیدہ نہیں رہ سکتی کہ تاریخ کے ایک واقعے کو اُس کے سیاق و سبق اور دیگر متعلقہ نصوص سے علیحدہ کر کے جو متائج اخذ کیے جاسکتے ہیں، وہ عموماً معروضی نہیں ہوتے۔

۱۹۹۰ء میں مصر کے ایک معروف عالم استاذ عبدالحیم ابوشقة (م: ۱۹۹۵ء) کی کتاب تحریر

المراة فى عصر الرساله: دراسة جامعة نصوص القرآن الكريم وصححين البخاري و مسلم۔ کویت کے دارالقلم للنشر والتوزيع سے تین جلدیں میں طبع ہوئی۔ ۱۹۹۱ء میں اس کی چوتھی جلد طبع ہوئی (یہ چاروں جلدیں میرے کتب خانے میں موجود ہیں)۔ بعد میں دو جلدیں مزید طبع ہوئیں اور اگر یہ کہا جائے کہ مصنف مرحوم نے قرآن اور حدیث کے نصوص کو بڑی حد تک خواتین کے حوالے سے ایک مقام پر جمع کر کے طالبان علم پر ایک بڑا احسان کیا تو بے جانہ ہوگا۔ اس کتاب پر شیخ محمد الغزالی مرحوم اور ڈاکٹر شیخ یوسف القرضاوی نے پیش لفظ تحریر کیے۔ استاذ القرضاوی کا پیش لفظ ۱۹۶۰ء صفحات پر متنی خود ایک علمی تحریر ہے۔

ڈاکٹر صدیقی صاحب نے جن جن احادیث کا حوالہ اپنی کتاب میں دیا ہے، وہ سب اس

عالما نہ کتاب میں اپنی مکمل شکل میں موجود ہیں۔ لیکن صدیقی صاحب کے کتابیات کے حوالے میں کہیں بھی اس کتاب کا حوالہ نہیں آنے پایا، گو صدیقی صاحب سے زیادہ شیخ عبدالحیم نے اسلام میں عورت کے حقوق اور معاشرے میں کروار پر وحی ذالی ہے۔ دوسرا جلد میں اجتماعی زندگی میں حضرت نوحؐ سے بنی اسرائیل تک تاریخی طور پر انبیاء کرام کا اسوہ اور پھر الفصل الرابع میں نساء النبی کا قبل فرضیہ حجاب اور بعد فرضیہ حجاب مفصل بیان ہے۔ فصل الخامس میں عصر الرسالت میں صحابیات کے طرزِ عمل کا تذکرہ ہے۔ بعد کی فصلوں میں عصری حوالے سے بشمول سیاسی سرگرمیوں کے بحث ہے۔

طوالت سے بچتے ہوئے اگر شیخ عبدالحیم کے موقف کو بیان کیا جائے تو اعتدال کو برقرار رکھتے ہوئے وہ خواتین کو گھر کے باہر ضرورت، حاجت اور تحسین کے علی الرغم سرگرم عمل ہونے کا حق دینے کے حاوی ہیں لیکن ان کی تحریر سے وہ تاثر نہیں بنتا جو آغاز میں دیے گئے ڈاکٹر صدیقی صاحب کے اقتباسات سے بنتا ہے۔ وہ واضح طور پر یہ بتاتے ہیں کہ دوسری رسالت میں صحابیات کا معاشرے میں بہت سے کاموں میں حصہ لینا نہ غیر ضروری ملاقات و میل جوں کہا جاسکتا ہے اور نہ مکمل طور پر دیوار کھینچ کر الگ کر دینا۔ لیکن قرآن و سنت کے واضح احکامات کے بعد جن میں ایک شادی شدہ خاتون کو شوہر کی موجودگی کے بغیر کسی غیر محروم کے ساتھ چاہے وہ ایک ہو یا زائد ہوں، تہائی اختیار کرنے کی ممانعت کے بعد یہ تاثر دینا کہ آج جس طرح مخلوط مجالس منعقد کی جاتی ہیں یہ متفضے سنت و قرآن ہیں۔ کتنی نیک نیتی اور مخصوصیت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، اگر انحراف اور پریشان فکری نہیں تو ایک انفرادی فکری تجدید ضرور ہے۔

اگر موجودہ پاکستانی بیاس اور دوستوں کا غیر محروم ہونے کے باوجود ایک منکوحہ کے شہر کی رضامندی سے گھر میں آنا جانا اور ان دوستوں کی ضیافت کرنا ہی 'سنت' ہے تو پھر قرآن و سنت کو محروم و غیر محروم کی تقسیم کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آثار و احادیث کو شارع علیہ السلام اور قرآن کریم کے مقصد و مَدْعَا، مقاصد شریعہ اور ان کے سبب نزول سے الگ کر کے نتائج کی طرف رہنمائی کرنا اور بظاہر بہت احترام سے یہ کہنا، ”مثلاً غزوة أحد میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی شرکت، رفاقتی خدمت اور مسلم مجاهدات کے مادرانہ جہاد کو یہ کہہ کر دوسرا رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے کہ وہ حجاب کے

احکام سے پہلے کا واقعہ ہے۔ لیکن ایسے مجاہد مفکرین و علمانے بعد کے غزوں میں خواتین اسلام کے مسلسل و متواتر شرکت کے واقعات میں حجاب سے قبل و بعد کا سوال نہیں اٹھایا کیونکہ احکامِ حجاب کے بعد تو ان کی شرکت کی کثرت ہو گئی تھی اور تو اتر بھی بڑھ گیا تھا۔ غزوں خبر، عمرۃ القضاء، فتح کمہ، حین، او طاس اور طائف کے غزوں میں صحابیات کی تعداد زیادہ اور مشمولیت متواتر نظر آتی ہے، بلکہ وہ غزوں کا ایک ضروری حصہ نظر آتا ہے۔ (ص ۱۹۶)

تاریخی واقعات کی تعبیر کا حق ہر صاحب علم کو ہے لیکن آخری جملہ تاثر یہ دیتا ہے کہ اگر آج سنت مطہرہ کی پیروی کرنی ہے تو اسلامی فوج ظفر موجود میں ایک بڑی تعداد مسلم مجاہدات کی شامل کیے بغیر دین کی تکمیل نہیں ہو سکے گی۔ کتاب کا اصل مسئلہ ایسے الفاظ کا انتخاب اور تنازع کا اخذ کر لینا ہے جو قرآن و سنت کے ظاہر معنی و مقصد سے مطابقت نہیں رکھتے۔

مردوں زن کا 'میل ملاپ'، زیارت، 'صنفی اختلاط' یا 'مردوں زن' کے اختلاط و ارتباط کی اصطلاحات معنی سے لبریز اصطلاحات ہیں اور ان کا معصومیت کے ساتھ صحابیات اور امہات اسلامیت کے حوالے سے استعمال سیرت و تاریخ کے کسی بھی طالب علم کے لیے قلبی اذیت کا باعث اور ادب و احترام کے منافی ہے۔

مفکر و فقیہ عصر سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بھی خواتین کی عسکری تربیت کو تسلیم کیا ہے لیکن دلیل کے ساتھ کہ ہر مسلمان عورت اپنی جان، ماں اور آبرو کی حفاظت کرنے پر قادر ہو، اسے اسلحہ کا استعمال آتا ہو، تیرنا، سواری کرنا اور نہ صرف اپنا دفاع بلکہ جنگ میں مردوں کا ہاتھ بھی بٹا سکے۔ لیکن اسلامی حدود میں، یعنی بغیر اختلاط کے (ترجمان القرآن، ج ۳۱، عدد ۳، جولائی ۱۹۷۸ء، ص ۲۶-۲۹)، جب کہ مذکورہ کتاب میں ہر صفحے پر زیارت، ارتباط و اختلاط پر اس انداز سے بات کی گئی ہے جیسے اسلام مخلوط مخلوس کے بغیر ناکمل رہے گا۔ یہ تحریر نام نہاد روشن خیال سُلیٰ ہے کہ ایسے 'علماء' کو جن کی اصل مصادر شریعہ تک پہنچ نہ ہو، وہ مواد فراہم کر سکتی ہے جو انھیں عرضے سے مطلوب تھا۔ سیاق و سبق کو اس کی اصل شکل میں پیش کیے بغیر منتخب تاریخی حوالے نظر کر دینا بعض اوقات فتنے کا باعث بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فکر و عمل کی ہر لغزش سے محفوظ رکھے۔ (ڈاکٹر انیس احمد)